

انفرادی ملکیت اسلام میں

نعیم صدیقی

(۳)

اس مضمون کی پہلی قسط کے شائع ہونے کے بعد ایک مقامی روزنامے میں کسی ”عالم دین“ نے میرے دلائل سے ترمض کیا اور خلافتِ راشدہ کے دور سے دو ایک نظریں صاحبِ موصوف نے ایسی پیش سرکاری ہیں جن سے بظاہر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حکومت تقسیم اراضی اور زرعی اmlاک کو سلب کرنے کے غیر محدود اختیارات رکھتی تھی اور اس کا عمل قومی ملکیت کے اصول پر مبنی تھا۔ حالانکہ یہ نظریں یا تو حکومت کے عطا یا (جو اراضی موات اور اراضی خالصہ ہی سے دیے جاتے ہیں) سے تعلق رکھتی ہیں، یا پھر چشمہ زاروں، جنگلات اور چسراگا ہوں سے، اور ان کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ میں بہت ہی واضح قسم کے مخصوص قوانین موجود ہیں جن کو عام زمینوں پر پھیلانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں تحقیق کر کے ضروری مواد ہم پہنچایا اور ایک نئی بحث مرتب بھی کر لی۔ لیکن چونکہ مضمون کی آخری قسط کی کتابت بھی اس دوران میں مکمل ہو چکی تھی، لہذا اس بحث کو شامل نہ کیا جاسکا۔ اب انشاء اللہ جب یہ مضمون کتابی صورت میں شائع ہوگا تو یہ بحث بھی اس میں بڑھادی جائے گی۔

املاک میں خلافتِ راشدہ قومی ملکیت کو اسلام ثابت کرنے کے لئے خلافتِ راشدہ سے چند ایسے خاص نوعیت کے بعض خاص تصرفات کے نظامِ تحریروں اور تقریروں میں بیان کئے جاتے ہیں جن کی اصل حیثیت کو

ذہباً کرنے والے سمجھتے ہیں، نہ ان کے سامنے سر ڈھکنے والے! وہ خود بھی مغالطے میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی غلط فہمیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

ان خاص نظائر میں سے چند اہم ترین مثالیں یہ ہیں :-

اول: عیاض بن غنم (عادل مصر) کے متعلق حضرت عمرؓ کو شکایت پہنچی کہ وہ باہر فاحشرہ پہنچتے ہیں اور دروازے پر دربان رکھتے ہیں، چنانچہ ان کو پکڑ بلوایا گیا اور سخت توبیہ کی گئی تاکہ وہ معافی مانگ کر نصیب پر بحال کئے گئے۔

دوم: حضرت ابو موسیٰ اشعری کے متعلق شکایات موصول ہوئیں کہ ان کی ایک لونڈی کو وہ خدا ملتی ہے جو عام مسلمانوں کو نصیب نہیں، تو ثبوت الزام پر لونڈی ان سے الگ کرادی گئی۔

سوم: کوفہ میں سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے ایک عالی شان محل بنوایا جس کے آگے ڈیڑھی تھی چنانچہ تحقیقات کے بعد محمد بن مسلم کو حکومت نے مامور کیا کہ وہ اس ڈیڑھی کو آگ لگا دیں۔

چہارم: حضرت خالد بن ولید نے رومیوں کو فتح کر کے بہت سا مال غنیمت پایا تو اس میں سے شعث بن قیس (شاعر) کو دس ہزار روپیہ انعام دیا۔ حضرت عمرؓ نے معاملے کی تحقیق کے بعد خالد کے ذاتی مال میں سے یہ روپیہ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا۔

ان واقعات کو تاریخ کے اوراق میں پاکر مارکیٹ کے طلبہ داروں کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور فرط مسرت میں وہ ان کی خاص نوعیت کا جائزہ بھی نہیں لے پاتے بلکہ فوراً زبانِ قلم سے یہ طوفان اٹھا دیتے ہیں کہ خلافت راشدہ میں انفرادی ملک کو قومی مفاد پر قربان کرنے کا طریقہ عام طور پر لائیج رہا ہے۔

یہ سب کچھ سطحی معلومات کا کرشمہ ہے!

یہ سارے واقعاتی نظائر دراصل اسلامی حکومت کے افسروں اور ملازموں سے متعلق ہیں۔ ان افسروں اور ملازموں کے معاملات کو اسلامی حکومت کے ضابطہ خدمات عامہ (PUBLIC SERVICE CODE) اور قواعد لازمات (SERVICE CONDUCT RULES) کے تحت دیکھا جاتا تھا۔ ان ضوابط و قواعد کی رو سے اسلامی حکومت کے افسروں اور ملازمین کی پوری زندگی (سرکاری اور نجی) پر نگرانی قائم رکھی جاتی تھی، اور اس کا لحاظ کیا جاتا تھا کہ

جن شرائط پر ان سے معاملہ طے ہوا تھا وہ ان کو پورا کرتے ہیں یا نہیں؟

ان ضوابط و قواعد کی رو سے خلافت راشدہ کا ہر سرکاری کارکن اس بات کا پابند تھا کہ وہ سادہ زندگی بسر کرے گا، شامہ باٹھ کے مظاہرے سے پرہیز رکھے گا، عام لوگوں سے ربط رکھے گا اور ان کو شکایات و مطالبات پیش کرنے کے لئے پوری سہولتیں دے گا، نیز نہ ریاست کے اموال کو بے جا طور پر صرف کرے گا اور نہ ذاتی اموال سے سوسائٹی میں ایسے نمونے قائم کرے گا، جن سے پوری پہلک میں مفاسد پھیل سکتے ہوں۔

مندرجہ بالا واقعات میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ اس قسم کی حدود و شرائط میں سے کوئی نہ کوئی ٹوٹتی تھی۔ اسی کو قائم کرنے کے لئے متعلقہ کارکنوں کے خلاف ضابطے کی کارروائی کی گئی۔

یہ واقعات اگر عام شہریوں کے متعلق ہوتے اور کسی عدالتی قانون اور عدالتی کارروائی یا کم سے کم انتظامیہ (EXECUTIVE) کی طرف سے ان کی املاک میں تصرفات کئے گئے ہوتے تو پھر معاملہ قابلِ خورد تھا۔ مگر عجیب بات ہے کہ حکومت کے افسران اور ملازمین پر جو خاص پابندیاں عائد تھیں اور دنیا کی ہر حکومت اپنے کارکنوں پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے، ان سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ شہریوں کے عام بنیادی حقوق تک میں قطع و برید کی جاسکتی ہے۔ اس قسم کے اٹھے سیدھے استدلال کر کے جو لوگ اپنی اسلامیت کا رعب گانٹھنا چاہتے ہیں، حقیقت حال پر نگاہ ڈالتے ہی ان کی جہالت کا سارا راز فاش ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (جن کی حکومت خلافت راشدہ ہی کا ضمیمہ قرار پاتی ہے) نے شاہی خاندان کے افراد اور دوسرے درباریوں اور امرا سے بھی آخر جاگیریں سلب کی ہی تھیں، حالانکہ وہ ان کی ذاتی ملک بنادی گئی تھیں، تو پھر اسی طرح آج کوئی حاکم عادل اٹھے اور وہ لوگوں کے املاک کو ان کے قبضے سے نکال لے تو ایسا کرنا ناجائز کیوں ہونے لگا؟

یہاں پھر ایک نظیر کی نوعیت سمجھے بغیر فتویٰ دیا جا رہا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دراصل جو اصلاحی مہم شروع کی تھی وہ اموالِ منسوبہ کی واپسی کی مہم تھی۔ آپ نے ایک طرف بیت المال کو وہ املاک (زمینیں، ساز و سامان، نقدی، جوہرات وغیرہ) واپس دلوائیں جو ناجائز مقاصد کے لئے، ناجائز مقداروں میں ناجائز طریقوں سے دی اور دلوائی گئی تھیں، اور دوسری طرف عام شہریوں

(مسلمانوں اور ذمیوں دونوں) کو ان کی املاک (زمینیں، ساز و سامان وغیرہ) ان لوگوں کے قبضے سے نکال کر واپس کر لیں جن کو سابق حکومت نے جبراً سلب کر کے بہم پہنچائی تھیں۔

یہ دو مختلف قسم کے اموال تھے۔ ایک حکومت کے املاک جو ناجائز طور پر کسی کے شخصی قبضے میں دیئے گئے تھے اور دوسرے شہریوں کے املاک جو حکومت نے دوسرے شہریوں کو جبراً دلوادئے تھے۔ یہ سب کے سب بیت المال میں داخل کر کے قومی ملکیت نہیں بنا دیئے گئے تھے، بلکہ جو جس چیز کا حقدار تھا وہ اسی کو دلوایا گیا تھا۔ پھر یہ ساری اصلاحی مہم باضابطہ یعنی کارروائی کر کے سرانجام دی گئی تھی اور ایک ایک معاملے پر الگ الگ غور کیا گیا تھا۔

اس نظریے سے تو یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر ایک حکومت نے پبلک خزانے کے املاک کو ناجائز طور پر افراد کے حوالے کر دیا ہو، یا بعض افراد سے چھین کر کوئی مال بعض افراد کو بلا کسی قانونی حق کے دلوادیا ہو تو بعد کی صالح حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر معاملے کی تحقیق کر کے حقداروں کو ان کا حق پہنچا دے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلا کہ افراد سے جو کچھ چاہو چھین کر اسے قومی ملکیت کے باڑے میں داخل کر دو! یہیں وہ نظائر جن سے عام طور پر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس کی حقیقت پر ذرا سا غور کرتے ہی اس استدلال کی قلعی کھل جاتی ہے جس پر قومی ملکیت کے ”اسلامی“ فلسفے کا دالود ہمارا ہے!

جب ہر طرف سے قومی ملکیت کے مسلم مبلغوں کو دلائل گھیر کر یہاں لے آئے ہیں کہ اسلام میں انفرادی ملکیت کا حق شہریوں کے بنیادی حقوق میں داخل ہے اور یہاں نہ قومی ملکیت کے اصول کی ضرورت ہے، نہ اس کی جگہ ہے، تو پھر

سرمایہ داری اور اسلام کے نظام ملکیت میں فرق

اس طنز پر بات ختم کر دی جاتی ہے کہ اگر بات یہی ہے تو اسلام اور سرمایہ داری میں فرق کیا رہا!

یہ درست ہے کہ انفرادی ملکیت کا اصول اسلام میں بھی پایا جاتا ہے اور سرمایہ داری میں بھی، لیکن کیا اتنی سی بات سے دونوں ایک ہو جائیں گے؟ اگر ایسا ہے تو کیونترم بھی ”اصولی ریاست“ کا داعی ہے اور اسلام بھی! پھر کیا اسلام اور کیونترم ایک ہو جائیں گے؟ بکری کا بھی معدہ ہوتا ہے اور اونٹ کا بھی، تو کیا

ان کو ایک سمجھا جائے گا؟ ہرن کے بھی سینگ ہوتے ہیں اور نیل گائے کے بھی، تو کیا اتنی سی بات دونوں کو ایک بنا دے گی؟ کچھ سوچئے کہ آپ حضرات کی منطق کی جو لیں کہیں سے ڈھیلی تو نہیں ہیں!

آئیے، اب آپ کی خدمت میں تجزیہ کر کے واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام کے نظام ملکیت اور سرمایہ داری کے نظام ملکیت کو کونسی چیزیں ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) املاک کے حصول، تقسیم، اور ان کے استعمال کے بارے میں اسلام کے چند بنیادی اصول (FUNDAMENTALS) اور چند قانونی حدود (LIMITATION) کتاب و سنت کی رو سے ہر ملک اور زمانے کے لئے واجب العقول ہیں اور ان کو بدلنے یا برطرف کرنے کا حق دستور و قانون کے لحاظ سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ یہ بنیادی اصول و حدود دراصل ان بے شمار مفاسد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہیں جنہیں اگر کھلا چھوڑا جائے تو پھر انفرادی ملکیت کا نظام انسانیت کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔

مثلاً سود اور سٹے اور قمار کی حرمت، معصیت کو کماٹی کا ذریعہ بنانے یا معصیت کے راستوں سے خرچ کرنے کی حرمت۔ یا صدقات واجبہ کی ادائیگی اور ایک خاص نذیم سے وراثت کی تقسیم وغیرہ کا لازم ہونا! ————— وغیرہ۔

بخلاف اس کے سرمایہ دارانہ نظام میں آمد و صرف اور تبادلاً و تقسیم کے لئے کوئی اٹل اصول و قواعد نہیں ہیں کہ ہر حال میں ان کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا بہاؤ کسی ایک متعین رو دکاہ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ افراط و تفریط کے مظاہر سے کرتا ہوا بڑھتا ہے۔ اس کے خداوند آج ایک حد کو قائم کرتے ہیں تو کل اس سے خود ہی توڑنے کا فیصلہ کر دیتے ہیں، اور کل جسے توڑا تھا اسے آج پھر سجال کرنے کا اہتمام کرنے نظر آتے ہیں۔

(۲) اسلام کے سارے ضابطہ ملکیت میں اس سرے سے اس سرے تک افراد اور معاشرہ کے اخلاقی ارتقا کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اور اصول و حدود محض معاشی فائدوں اور نقصانوں کا جائزہ لے کر نہیں مقرر کئے گئے، بلکہ اس سے زیادہ انسانیت کے اخلاقی نفع و نقصان کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مثلاً سود بعض معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے میں خاصا مفید معلوم ہوتا ہے، اور اس کے بعض فوائد ہی

کے پیش نظر سرمایہ دارانہ نظام سے قبول کیا ہے اور اس کو اصول بنا کر اس پر بینکنگ کا لمبا چوڑا نظام تعمیر کر ڈالا ہے جسے دیکھ کر آج مسلمان علماء کی آنکھیں بھی مرعوب ہو جاتی ہیں لیکن اسلام نے سود کے معاشی مفاد کے ساتھ اس کے معاشی نقصانات کو بھی دیکھا ہے، اور ان سے بھی بڑھ کر اس کے اخلاقی مفاسد کا لحاظ کیا ہے! اسی طرح شراب کی حرمت معاشی لحاظ سے نہیں، اخلاقی نقطہ نظر سے عائد کی گئی ہے؛ حالانکہ معاشی لحاظ سے شراب بنا بنا کر غیر ملکوں کے ہاتھ بیچنا بہت نفع دے سکتا ہے۔

اسلام کے اس مزاج کے پیش نظر ایک صحیح اسلامی حکومت اپنی مختلف ہیئتوں کے ساتھ معاشیات میں بھی اپنی قانون سازی اور اپنی پالیسی بنانے کی سرگرمیوں میں مجبور ہے کہ صرف معاشی فائدے ہی کو نہ دیکھے، بلکہ اس سے زیادہ اہمیت کے ساتھ عوام کے اخلاقی صلاح و فساد کا لحاظ کرے۔ اگر ایک طریقے سے مالی فائدہ ہوتا ہو لیکن اخلاقی نقصان بھی ساتھ آتا ہو تو وہ اسے چھوڑ دے گی اور دوسرے طریقے سے اگر وہ دیکھے گی کہ ایک مالی فائدہ ہاتھ سے جاتا ہے لیکن ملت کو عظیم الشان اخلاقی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وہ اخلاقی فوائد کی طرف زیادہ مائل ہوگی۔

ایسے نظام میں جس میں انفرادیت، ملکیت، ایسا قانونی اور انتظامی تدابیر کے ساتھ قائم کی گئی ہو جو اس کے اندر اخلاقی روح کو بیدار رکھیں اور معاشرت میں اسے مفاسد پیدا کرنے کا موقع نہ دیں، سرمایہ داری سے بالکل مختلف نوعیت کا ہوگا۔

سرمایہ دارانہ ریاست میں تو انفرادی ملکیت کے نظام کو ایسے قانون اور ایسی پالیسی کے ذریعے قائم رکھا جاتا ہے جس میں انسانیت کی اخلاقی صلاح کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ قابل لحاظ صرف مادی مفاد، مالی ترقی، ذرائع پیداوار کی افزائش وغیرہ قسم کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اخلاق صرف وہی قبول کیا جاتا ہے اور اسی حد تک جس کا یہ مقاصد تقاضا کریں، ورنہ تعمیر اخلاق کی بجائے خود کوئی مقصدی قتل و قہر نہیں ہوتی۔

اب جب "انفرادی ملکیت" کو ایک خیر اخلاقی فضائل جاتی ہے تو وہ خوب پاؤں پھیلاتی ہے! اسے اخلاق کا کوئی سنتری کسی طرف بڑھنے سے نہیں روکتا، اسے کسی چوراہے پر ٹریفک کو کنٹرول کرنے والا کوئی

امول نہیں ٹوٹتا۔ پس اصل فساد مادہ پرستانہ فضا کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ انفرادی ملکیت کی وجہ سے۔ اور اسلام میں اس طرح کی فضا قابل برداشت نہیں ہے۔ اس فضا کو بھی اگر انفرادی ملکیت کے ساتھ اسلام میں اٹھایا جائے تو پھر وہ بھی یقیناً سرمایہ داری بن جائے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام ایسی خدا پرستانہ ذہنیت اور خدمت پسند سیرت انسانوں کے اندر تعمیر کرنے کی بھاری ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا جو ان کو جانور اور درندے بننے سے بچائے۔ اس قسم کا کوئی پروگرام اس کے پاس نہیں ہے، بلکہ اپنی اس کوتاہی پر شرمندہ ہونے کے بجائے اس نے ارتقا کا وہ فلسفہ قبول کیا ہے جو طاقت کو حق قرار دے کر اور اخلاق کا محور فائدے کو مقرر کر کے انتہائی فاسد ذہنیتیں اور سیرتیں ہم پہنچاتا رہا ہے۔

دوسری طرف اسلام حکومت پر واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ خدا کی بندگی اور آخرت کی جواب دہی کے عقائد کا گہرے سے گہرا نقش عوام میں بٹھائے، ان کو اخلاق پروردگاری کا پابند بنائے، ان میں بھلائیوں میں تعاون اور برائیوں کی ممانعت کا جذبہ ابھارے، ان میں اخوت اور مسافات کی حس پیدا کرے، ان میں ایک صالح جماعتی نظم کو ترقی پذیر بنائے، ان میں باہمی تعاون کی روح پھونکے، ان میں پوری نوع انسانی کو حق کی تعلیم دینے، مفاسد سے بچانے اور مظالم سے نجات دلانے کو ایک اعلیٰ نصب العین بنا کر ساری قوتیں اس پر متمرکز کرنے کا جذبہ ابھارے۔

اس طرح سے تیار کی ہوئی سوسائٹی میں انفرادی ملکیت جب پرورش پاتی ہے تو وہ بالکل دوسری ہی قسم کے برگ و بار لاتی ہے۔ پھر اس میں پھل پھول تو نکلتے ہیں کائنات نہیں نکلتے۔

(۳) سرمایہ دارانہ نظام میں انفرادی ملکیت کے تحت مادہ پرستانہ ذہنیتیں جب بلقائے کشمکش کی بنا ڈالتی ہیں تو اس کشمکش میں بڑی حد تک غیر جانبدار رہتی ہے اور اسے روکنے یا صحیح راستے پر ڈالنے اور کسی نتیجہ خیز پہنچانے کے لئے کوئی پارٹ ادا نہیں کرتی۔ ظالم و مظلوم میں تعاون پیدا کرنے کی کوئی تدبیر اس کے پاس نہیں ہوتی۔ وہ اگر اس کشمکش میں مداخلت کرتی بھی ہے تو سرمایہ دار طبقہ کے سیاسی تسلط کی وجہ سے ہمیشہ اپنا وزن ظالم عناصر کے پلٹے میں ڈالتی ہے، اور مظلوموں کا کوئی حق وہ اسی وقت مانتی ہے جب اسے یہ محسوس ہو جائے کہ اس کے سوا چارہ کار کوئی اور ہے ہی نہیں۔

تخلات اس کے نظام میں اول تو انفرادی ملکیت طبقاتی کشمکش برپا کرنے کے لئے کبھی سازگار حالات نہیں پاسکتی، اور اگر ایسا ہو جائے تو حکومت کی پوری کوششیں یہ ہوگی کہ وہ کشمکش کو تعاون سے بدلے اس کے لئے جہاں غیر جانبدار تماشائی بن کر پڑے رہنا ایسی حالت میں ممکن نہیں ہو سکتا، یہ بھی ناقابل تصور ہے کہ وہ اپنا وزن ظالم طبقے کے پلڑے میں ڈالے۔ جیسا کہ خلفائے راشدین نے اپنے خطباتِ خلافت میں اسلامی ریاست کی پالیسی کی توضیح کرتے ہوئے اعلانات کئے تھے اور ان پر عمل کر کے دکھایا تھا۔

(۴) سرمایہ دارانہ نظام میں انفرادی ملکیت کے کھل کھینے کی وجہ سے جب مسابقت میں کمزور افراد ہار کر گر جاتے ہیں تو حکومت کی ذمہ داری ان کو اٹھا کر، سنبھال کر، ہمت بندھا کر ذرائع مہیا کر کے پھر سے دوڑگانے کے قابل بنانے کے بارے میں اصولاً کچھ نہیں ہوتی۔ کوئی اگر بے روزگاری میں گھر گیا ہے، کوئی محنت کا معاوضہ نہیں پاسکا ہے، کسی کے ہاں فاقہ ہے، کسی کی بیوی عورت سے محروم ہے، کسی کا بچہ تعلیم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے تو حکومت اس قسم کے حالات پر اس وقت تک متوجہ نہیں ہوتی جب تک وہ یہ نہ محسوس کر لے کہ ان حالات سے اس کی آمدنی میں فرق آرہا ہے، یا اس کے لئے لائینڈ آرڈر کو سجال رکھنا مشکل ہو چلا ہے، یا بین الاقوامی طور پر اس کی رسوائی ہو رہی ہے! اصولاً وہ ان حالات کے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں کھتی۔

بجلافت اس کے اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے بنیادی حقوق ہی میں اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ وہ ان کو کسی حال میں بے سہارا نہ رہنے دے گی۔ وہ اگر بے روزگاری یا فاقہ کشی میں مبتلا ہوں گے تو چاہے وہ کوئی منظم احتجاج نہ کر سکیں اور کوئی جلوس نکال کر شور و غوغا نہ مچا سکیں، اور چاہے وہ نہایت ہی قلیل تعداد میں ہوں اور ان کی کوئی آواز نہ ہو، تو بھی وہ ان کی بنیادی ضروریات بہم پہنچانے اور ان کو اپنے پاؤں کھڑا کرنے کے لئے انتظام کرے گی۔

اس مقصد کے لئے اس کا ایک انتظام تو یہ ہوتا ہے کہ وہ گرتوں کو سہارا دینے کی عام اسپرٹ شہریوں میں پیدا کرتی اور اسے نشوونما دیتی، اور اس مہم کے لئے ان کی تنظیموں، اداروں اور اوقاف کی سرپرستی کرتی ہے، اور دوسری طرف وہ خود اپنے بیت المال اور خود اپنے سرکاری اداروں کی مشینری کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرتی ہے۔

یہ اہتمام نظام سرمایہ داری میں نہیں ہوتا۔

مثلاً آج — نظام سرمایہ داری کی مادہ پرستانہ ذہنیت کے ساتھ — جب ایک سرمایہ دار

کثیر پیداواری کے لئے ایک مشین خریدتا ہے تو اس سے بالکل بے پروا ہوتا ہے کہ خود اس کے اپنے ہار کے کتنے مزدور بے کار ہو جائیں یا شہر اور ملک کے دوسرے کتنے مزدوروں پر اثر پڑے گا۔ لیکن ایک صحیح اسلامی نظام اور اسلامی مدعا مندر میں صاحب سرمایہ لوگ اس ناپاک ذہنیت کے مالک نہ ہوں گے کہ دوسرے ہزاروں آدمی تباہ ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، ہمیں تو اپنے فائدے سے بے خبر ہے۔ پھر سر پر ایک حکومت اس طرز کی ذہنیت کے ساتھ لگائے ہوگی جس کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے (یہ بیان طبری کا ہے) کرائے کے گھوڑوں کا ایک بڑا جھلن چوتھ میں قائم کرنے والے ایک کاروباری کو اس منظر پر اس کی اجازت دئی تھی کہ ان گھوڑوں کے لئے چارہ مدینہ کی حدود سے باہر سے آئے گا تاکہ یہاں کے مویشیوں کے لئے چارے کی قیمتیں نہ بڑھنے پائیں۔ وہ حکومت مشینی دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ہر تبدیلی پر نظر رکھے گی کہ کہاں کہاں اثر ڈالتی ہے اور کتنے آدمیوں کو اپنی پیدائش میں لیتی ہے۔ پھر وہ ان کو بے روزگاری — اور مشین کے مقابلے — کے خطرے سے بچانے کے لئے نئے کوآپریٹو سسٹم کے تحت ایسی سکیمیں اختیار کرے گی جن میں اس کے تربیت دیتے ہوئے اہل سرمایہ رضا کارانہ طور پر تعاون کے لئے تیار ہوں گے۔ وہ سرمایہ و محنت کو ایک بڑے اور پاکیزہ نصب العین کے لئے اس طرح جمع کرتی جائے گی جس طرح جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بھاری اسلحہ والے دستے اور ہلکے اسلحہ والے دستے، اور ہوا باز اور سفر مینا، سب کے سب ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

میرے ایک دوست خوب کہتے ہیں کہ اگر مشینی انقلاب نبی صلعم یا خلافت راشدہ کے دور میں عرب سے نمودار ہوا ہوتا تو آج دنیا کے نظام ہائے حیات کی شکل ہی دوسری ہوتی!

(۵) سرمایہ دارانہ نظام میں انفرادی ملکیت کی نشوونما جس قانون اور حکومتی انتظام کے تحت ہوتی ہے

اس کی باگ ڈور ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتی ہے جو سرمایہ دار طبقے کے نمائندے ہوتے ہیں اس نظام میں "انتخابات" کسی اخلاقی معیار پر نہیں ہوتے بلکہ ان پر روپے کا زور پورا پورا تسلط رکھتا ہے لیکن اسلام میں صالحیت و تقویٰ کے معیار قرار پانے اور "امیدواری" کے ممنوع ہونے کی وجہ سے بالکل دوسری

تسم کے لوگ آگے آتے ہیں جو کسی ایک طبقے کے نہیں بلکہ سبھی شہریوں کے، پوری ملت کے، اور خود دین حق کے مخلص نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں جو قانون و نظم وجود پاتا ہے وہ انفرادی ملکیت کو اس پنج پر پروان نہیں چڑھاتا جس پنج پر سرمایہ دارانہ نظام میں اس کی نشوونما ہوتی ہے۔

یہ پانچ بنیادی اختلافات ہیں جن کی وجہ سے اسلام اور سرمایہ داری میں انفرادی ملکیت کے اصول پر متفق ہونے کے باوجود مشرق و مغرب کا تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے مارکسی پروپگنڈے کا یہ کہنا کہ جب اسلام انفرادی ملکیت کا داعی ہے تو اس میں اور سرمایہ داری میں فرق کیا رہا، محض منطقی انگیزی ہے، اور کچھ نہیں!

یہ چیز دگر ہے، وہ چیز دگر!

اسلام کے نظریہ ملکیت پر حسب کوئی ٹھوس بحث کی جاتی ہے تو بعض لوگ سمجھتے ہیں ایک اور غلط فہمی | کہ انفرادی ملکیت کے اسلامی اصول کو موجودہ بگڑے ہوئے معاشرہ کے احوال میں رکھ کر ہم نظام حاضر کا تحفظ کرنے کے لئے سارا استدلال کر رہے ہیں۔ بسا اوقات جان بوجھ کر ایسا سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔

ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ انفرادی ملکیت کے موجودہ سسٹم کو بجائے اس کے کہ قومی ملکیت کے مارکسی نظام میں ڈھالا جائے، بہ حیثیت مسلم ہمارا فرض یہ ہے کہ اسے اسلامی معاشرہ کے مخصوص مسائل، ڈھالیں اور جہاں ملکیت کا اسلامی ضابطہ اختیار کریں وہاں پورا نظام معیشت بھی اسلام کا لیں اور اس کے مزاج کے مطابق اسلام کا سیاسی و معاشرتی نظام بھی اختیار کریں۔ ورنہ اصولی ملکیت اسلام کا لے کر اگر اسے معیشت، معاشرت اور سیاست کے کسی ایسے نظام میں جڑا جائے جو خود غیر اسلامی ہو تو پھر نظام سرمایہ دارانہ بنے گا، نہ کہ اسلامی۔ ہم دعوت اس کی نہیں دے رہے۔